Fikr-o-Nasar (Islamabad) 7:8 (1970)

دنیائے اسلام کو موجودہ ترقیاتی دور کا چیلنج

اسلامی اور یورپی تہذیب کی روشنی میں

ایم اے حسین ملک ☆ مترجم نور الاسلام

(سلسلہ کے لئے دیکھئے 'فکر و نظر' اکتوبر ۱۹۶۹ء)

یورپین ممالک کی تعجب خیز اور ہنگامہ آراء مادی ترقی کے مقابلے میں دنیائے اسلام کے پاس کچھ بھی نہیں۔ چھ سو سال کے جمود نے ان کو ترقی کی مبادیات سے بیگانہ کر دیا ہے۔ مغربی ممالک میں نہایت اعلیٰ تعلیمی معیار اور بلند معیارِ زندگی کے مقابلہ میں زیادہ تر مسلمان ممالک آج انتہائی غربت، جہالت اور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے شکار ہیں۔ سماجی تحفظ اور زندگی کی دوسری ضرورتیں اور آسانیاں جو یورپ میں سب کے لئے یکساں طور پر موجود ہیں، اسلامی دنیا میں تقریباً ان کا فقدان ہے۔ جاگیرداری اور اسی قسم کے دیگر دقیانوسی نظام جو یورپ میں قرونِ وسطیٰ کی یادگاریں سمجھے جاتے ہیں آج بھی زیادہ تر مسلمان ملکوں میں موجود ہیں۔ سیاسی طور پر وہ زیادہ تر "طفلانہ جمہوریتیں"[1] یا ڈنڈے کے زور سے چلنے والی حکومتیں ہیں۔ وہ جذبہ جس نے انقلابِ فرانس کو جنم دیا، ان ملکوں میں ابھی تک پیدا نہیں ہوا۔[1]

مسلمان ممالک میں یہ حالات یک لخت پیدا نہیں ہو گئے بلکہ پچھلے چھ سو سال سے نشو و نما پاتے رہے ہیں۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی زندگی ہی اور تھی۔ یہ زندگی معلومات فراہم کرنے اور تحقیقات کرنے کے ذوق و شوق سے مملو تھی۔ بغداد جس کی بنیاد مسلمانوں نے ۷۶۲ء میں ڈالی بہت جلد شہری تمدن کا گہوارہ بن گیا۔ اس نے جلد ہی ایک نئے سائنسی دور، آزادیٔ خیال اور آزادیٔ رائے کے ایک نئے عہد کو جنم دیا۔ زراعت میں نئے سائنسی طریقے اختیار کئے گئے اور پرانے زرعی طریقوں کو جنہوں نے کبھی عراق کو دنیا کا سب سے زرخیز علاقہ بنا دیا تھا ترویج و ترقی دی۔ دورِ خلافت میں فنِ باغبانی کو بھی کافی فروغ ہوا۔ علاوہ ازیں بغداد تمام دنیا کے لئے تحصیلِ علم کا گہوارہ بن گیا۔ تعلیم یافتہ طبقہ وہاں جوق در جوق اسلامی مملکت سے آنے لگا جو یورپ کے مغربی ساحل پر واقع اسپین سے

© Dr Muhammad Hamidullah Library, IIU, Islamabad. http://iri.iiu.edu.pk/

لے کر مشرق میں ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی اور ترکستان کے دو بڑے شہر بخارا اور سمرقند بھی اس میں شامل تھے۔ بغداد میں کام اور انعام و اکرام کے زرّیں مواقع موجود تھے۔ ماضی کی ہر تہذیب یونانی، ایرانی، رومن، بازنطینی، مصری، ہندی اور چینی نے اسلام کی تیزی سے پھیلتی ہوئی عالمی تہذیب کی صورت گری میں حصہ لیا، یہ زمانہ بڑے جوش و خروش کا تھا۔ اس نے یورپ کی تمام اقوام کو متاثر کیا اور یورپ میں ایک بیداری کی لہر پھونک دی جو نشاۃ ثانیہ کہلائی۔ [۱۲]

اسلام کے ابتدائی زمانے میں بہت سے بڑے بڑے سائنس دان، فلسفی اور مؤرخ پیدا ہوئے۔ الخوارزمی اپنے زمانے کا سب سے بڑا حساب دان تھا۔ اس کو صحیح طور پر موجودہ الجبرا کا بانی کہنا چاہیے۔ اس نے سب سے پہلے فلکیاتی نقشے تیار کئے۔ الکندی نے اپنی تصانیف میں ہندوستانی ہندسوں کو اتنا ترقی یافتہ بنا دیا کہ لوگ اس کے ماخذ کو بھول گئے۔ اور مغربی ممالک میں یہ عربی ہندسوں ہی کے نام سے مشہور ہو گئے، پھر یہ مسلم ریاضی دان ہی تھے جنہوں نے اعلان کیا کہ سیّاروں کا مدار بیضوی ہے۔ انہوں نے زمین کے قطر کو کامیابی کے ساتھ ناپا۔ البتانی نے زمین کا سورج سے بعید ترین فاصلہ معلوم کیا۔ ابوالوفا نے چاند کی گردش میں تبدیلیوں کی نشان دہی کی۔ اور محمد بن موسیٰ نے سیاروں کی گردش اور ان کی کشش سے متعلق تحقیقات کی۔ ان محققین نے کاپرنیکس اور نیوٹن [۱۳] کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ ابھی حال ہی میں ایک روسی رسالہ کو مسومولسکایا پراودا نے اشارۃً کہا کہ نیوٹن کے دو عددی نظریہ کا حساب عمر خیام پہلے ہی نکال چکا تھا۔ جو بارہویں صدی کا ایرانی شاعر اور ریاضی دان تھا۔ [۱۴] دوسرے بڑے علماء میں الرازی (جن کا انتقال ۹۲۲ عیسوی میں ہوا) طب و جراحت میں لافانی شہرت کے مالک ہیں اور ابوالقاسم ایک مشہور و معروف سرجن ہیں۔ ان کے علاوہ ابن سینا، البیرونی اور عرب کا سب سے بڑا کیمیا دان جابر (جو یورپ میں گیبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)، یہ سب غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

مسلمانوں نے اپنے سے پہلی تہذیبوں کے تجربات سے فائدہ اُٹھانے میں پس و پیش نہیں کیا۔ انھوں نے فلسفہ اور سائنس سے متعلق دوسری زبانوں کی کتابیں ترجمہ کیں۔ ارسطو کے مکتبۂ خیال کو اچھی طرح سمجھا اور رومیوں کے قانون کو اپنایا۔ اس طرح انھوں نے فلسفہ، علم قانون، علم طب، علم نجوم اور ریاضی میں وہ کمال حاصل کیا جس سے گزشتہ تہذیبیں بے بہرہ تھیں۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ الکیمیا کو سائنس

کا درجہ ملا۔ مسلمانوں نے چینیوں سے قطب نما لیا اور اس کی مدد سے بحر روم، بحر عرب اور بحر ہند کو عبور کیا، انھوں نے کاغذ کی دستکاری اور بندوق کا بارود بنانا چینیوں سے سیکھا۔ عربوں نے ان کو ترقی دی اور انھیں غیر چینی دنیا تک پہنچایا۔

اسلامی تمدن پہلے بغداد میں پروان چڑھا لیکن بہت جلد یہ دوسری مسلمان خلافتوں مثلاً قرطبہ، فاس اور قاہرہ میں پھیل گیا۔ عرب اسپین میں اپنے ساتھ مصنوعی آب پاشی، ریشم، روئی، اونی اور سوتی کپڑے بُننے کی صنعت، فنِ کوزہ گری، برتنوں کو چمکانے اور خام دھات کو صاف کرنے کے فنون کے تجربات لائے۔ اسپین میں چاول، گنّے، روئی اور نارنگیوں کی کاشت عربوں نے ہی رائج کی۔ ایک بربری مؤرخ مسلم اسپین کے متعلق لکھتا ہے :۔

"......اگر یورپ میں رہنے والے عیسائیوں کو جو شہروں کی اُداس اور تنگ گلیوں میں یا ان خستہ حال جھونپڑیوں میں زندگی گزارتے تھے جو گنوار اور غیر مہذب امراء کے محلوں کے اردگرد بکھری ہوئی تھیں، اس پُر مسرت اور روشن دنیا میں بھیجا جا سکتا تو وہ سمجھتے کہ ہم پریوں کے مسکن میں آگئے ہیں اور وہ مذہبی رواداری اور ذہنی آزادی کی اس روح کو دیکھ کر جو اندلس کے خوشگوار میدانوں میں جاری و ساری تھی، مجبور ہو جاتے کہ جن مسلمانوں سے ان کو نفرت تھی ان کے عقائد اور دین سے موانست پیدا کر لیں[۱۵]"

اسپین نے بڑی تعداد میں سائنس داں، اطباء اور فلسفی پیدا کئے۔ ان میں ابنِ زہر کا خاندان تھا جو دسویں صدی عیسوی کے شروع سے کر تیرہویں صدی عیسوی کے آخر تک پھلا پھولا۔ ان میں قابلِ ذکر ابنِ عربی (۱۱۶۵ - ۱۲۴۰ء) الادریسی (۱۱۰۰ - ۱۱۵۴ء) ابنِ رشد (۱۱۲۶ - ۱۱۹۸ء) اور ابن البیطار (۱۲۴۸ء وفات) ہیں۔ غرناطہ کی مسلم بربری سلطنت تقریباً تین سو سال تک اسپین میں اسلامی تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بنی رہی۔

ان دو مرکزوں کے علاوہ سسلی نے بھی جو آج بھی اٹلی کا سب سے کم ترقی یافتہ حصہ ہے اسلام کا زرّیں دَور دیکھا پہلے مسلمانوں کے دورِ حکومت (۹۰۲ - ۱۰۹۱ء) میں اس کے بعد بھی راجر اوّل کے دورِ حکومت میں۔ ۱۲۵۸ء میں چنگیز خان کے لشکریوں نے انتہائی محنت سے بنایا ہوا اسلامی تہذیب کا گہوارہ بغداد تباہ کر دیا۔ ۱۴۹۲ء میں غرناطہ کی تباہی نے اسلامی قوت و

تہذیب، آرٹ اور سائنس کے آخری مرکز کو ختم کر دیا۔

بغداد پر تاتاری حملے (۱۲۵۸ء) اور غرناطہ کی تباہی (۱۴۹۲ء) کے درمیانی وقفہ میں اسلامی سلطنت کے مشرقی کنارے پر ایک نئی قوت وجود میں آئی جو سلطنتِ عثمانیہ کے نام سے منسوب ہے۔ شروع میں اس سلطنت نے اپنی قوت بغداد سے حاصل کی مگر چند صدیوں بعد یہ خود ایک بہت بڑی سیاسی طاقت بن گئی۔ عثمانی ترکوں نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ کو فتح کر لیا اور اس کے بعد ان کی حکومت مشرقی یورپ تک پھیل گئی۔ ۱۵۲۹ء میں ترک ویانا تک پہنچ گئے اور سترہویں صدی کے وسط تک ایک ایسی طاقت رہے جس کا لوہا یورپ کے ممالک بھی مانتے تھے۔

ابتدائی مسلم اسپین اور بغداد کے برعکس سلطنتِ عثمانیہ اور دوسری مسلمان حکومتیں جو ہندوستان اور ایران میں قائم ہوئیں اسلامی جذبۂ اخوت اور رواداری اور سائنسی ماحول کو قائم نہ رکھ سکیں۔ اس کی بجائے ان حکومتوں کی طاقت زیادہ تر دفاع یا توسیع پسندانہ عزائم کے لئے غیر محدود جنگیں لڑنے میں صرف ہوتی تھی۔ لیوئس نے سلطنتِ عثمانیہ کے زوال کے یہ اسباب گنائے ہیں۔ شاہ سلیمان کے زمانہ سے سلیمان کا اپنی حکومت کے معاملات میں ذاتی طور پر انتظام و انصرام ترک کر دینا۔ ۱۵۸۴ء کے بعد وزیر اعظم کی طاقت اور استحکام کا فقدان۔ رفتہ رفتہ شاہی خاندان کی رشوت ستانی میں اضافہ اور اس کا حکومت کے روزمرہ معاملات میں بڑھتا ہوا ناجائز دخل اور بھاری ٹیکسوں کے ذریعہ کسانوں کا استحصال[۱۶]۔ سائنس، فلسفہ اور آرٹ کے ترقی نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ قرطبہ اور بغداد کی طرح سلطنتِ عثمانیہ میں کوئی ادبی اور سائنسی مرکز نہیں تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کا دارالخلافہ قسطنطنیہ کا پرانا شہر تھا لیکن یہاں علوم و فنون کی سرپرستی اور اظہارِ رائے کی وہ آزادی میسر نہ تھی جو بغداد اور قرطبہ کی خلافتوں کے زمانے میں اہل علم و فضل کو حاصل تھی۔ ہوٹنگر کا جو بہت عرصہ تک زور شئے نرے ٹنگ کا مشرق وسطیٰ میں نمائندہ رہا خیال ہے کہ پرانے استنبول میں (عثمانیہ دورِ حکومت میں) جو ظلم و استبداد عام تھا وہ علمی فضا کے پیدا ہونے اور اصلی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں ثابت ہوا[۱۸]۔

مسلمان حکومتیں جو کبھی ترقی اور طاقت کا گہوارہ تھیں اپنی رہی سہی قوت سترہویں صدی کے آخر تک کھو بیٹھیں۔ سترھویں صدی عیسوی میں سلطنتِ عثمانیہ کی کمزوری اور ۱۷۰۷ عیسوی میں

مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے انتقال نے مسلمانوں کی قوت کا دنیا میں خاتمہ کر دیا۔ اس وقت سے اب تک یوربین اقوام نے ان پر حملے کئے یا ان پر اثر انداز ہوئیں یا انھیں مفتوح بنائے رکھا۔ نوآبادیاتی دور میں مسلمانوں نے اپنی گری ہوئی پوزیشن کو تسلیم نہیں کیا، اور اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنے کے لئے برابر جدوجہد کرتے رہے۔ کسی نہ کسی ملک میں جہاں نوآبادیاتی نظام تکمیل کو پہنچ چکا تھا یا ابھی آدھے راستے پر تھا مسلمانوں میں اس کے خلاف بے چینی کے آثار پائے جاتے تھے۔ بہادر شاہ ظفر مغلوں کے آخری تاجدار نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جنگِ آزادی لڑی۔ مہدی نے ۱۸۹۸ — ۱۸۸۳ء کے دوران سوڈان میں انگریزوں کے تسلط کے خلاف جنگ لڑی۔ آزادی کی ان جنگوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں بڑے مصلح پیدا ہوئے جن میں قابلِ ذکر شاہ ولی اللہ دہلویؒ (۱۷۶۳ء وفات) اور محمد بن عبدالوہاب (۱۷۸۷ء وفات)، جمال الدین افغانی (۱۸۹۷ء - ۱۸۳۸ء)، محمد عبدہٗ (۱۹۰۵ - ۱۸۴۹ء)، سر سید احمد خان (۱۸۹۸ - ۱۸۱۷ء) اور ڈاکٹر محمد اقبال (۱۹۳۸ - ۱۸۷۳ء) ہیں۔ ان تمام شخصیتوں نے مسلمانوں کی اصلاح کرنے اور مسلمان سوسائٹی کو اس بات کے قابل بنانے کی عظیم الشان کوشش کی کہ وہ اپنے کندھے سے غیر ملکی جوا اُتار کر پھینکیں اور اپنے ملک کو غیر ملکی اثرات سے آزاد کر لیں۔

افغانستان میں امان اللہ خان نے اپنے ملک میں نئی روشنی پھیلانے کی کوشش کی، مگر وہ کامیاب نہ ہوئے مجبوراً ان کو اپنا ملک چھوڑنا پڑا، اور جلاوطنی کی حالت میں اطالیہ میں ان کا انتقال ہوا۔ کمال اتاترک نے اپنے ہم وطنوں کو جدت پسند (ماڈرن) بنانے کے لئے سخت اقدامات کئے۔ ترکی کے خلافت سے جمہوری مملکت میں تبدیل ہونے پر برکس BERKES حسب ذیل تبصرہ کرتا ہے:

"قومی مملکت مذہب اور ریاست کا وہ پرانا رشتہ قائم نہ رکھ سکتی تھی جو روایتی معاشرہ کا خاصہ ہے۔ اس کی بجائے قومی مملکت ترکی انقلاب کے مقاصد (یعنی جدت پسندی اور اقتصادی ترقی) حاصل کرنے کا ذریعہ بن گئی۔ نتیجتاً ایک ایسی لادینی حکومت کا قیام عمل میں آیا جس میں قومی، مذہبی اور جدید اصلاحات کو ایک نئے نظام میں ڈھالا گیا۔ یہ سب لادینی پالیسی کے ماتحت کیا گیا۔ تاہم مقاصد ایک جیسے ہوتے ہوئے بھی یہ نظام اپنے ذرائع وطریقہ ہائے عمل دونوں میں مغرب کی لادینی حکومتوں سے مختلف تھا۔" [۱۸]

نوآبادیاتی نظام کا دور ختم ہونے کے بعد کافی تعداد میں مسلمان ملک آزاد ہو گئے - انڈونیشیا کو ۱۹۴۵ء میں آزادی ملی ، ۱۹۴۷ء میں پاکستان آزاد ہوا اور اسی طرح دوسرے مسلم ممالک جو مشرقِ بعید میں انڈونیشیا اور ملائیشیا کے، اور مغرب میں شمالی افریقہ کے مراکش کے درمیان واقع ہیں اور جن کی کل تعداد ۲۶ ہے اب بالکل آزاد ہیں - دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ستّر اور اسّی کروڑ کے درمیان ہے - پاکستان اور انڈونیشیا سب سے بڑے مسلمان ممالک ہیں -

نوآبادیاتی نظام سے چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد زیادہ تر مسلمان ممالک اب اپنے مسائل اور اپنی آرزوؤں کا نئے سرے سے جائزہ لے رہے ہیں - اور سوچ رہے ہیں کیا اقدامات کئے جائیں جن کے ذریعہ وہ ان قوموں کے قدم بقدم چل سکیں جو ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں -

اس وقت بہت سے مسلمان ملک اپنے ترقی کے پروگراموں پر پانچ سالہ یا چھ سالہ منصوبوں کے تحت عمل کر رہے ہیں - ترقی کے طریقے الگ الگ ہیں جن میں جمال عبدالناصر کی عرب سوشلزم ، شام میں بعث سوشلزم ، پاکستان ، ترکی ، ایران اور تیونس میں حکومت اور نجی شعبوں کا ملا جلا ترقی کا پروگرام شامل ہیں -

مسلمان ملکوں میں ترقی کی کوشش ایک نیا تجربہ ہے اور یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ان مختلف راستوں میں سے کون سا راستہ آخر کار مسلمانوں کے لئے مناسب رہے گا -

پھر بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اب تک زیادہ تر مسلمان ملکوں میں معاشی اور اقتصادی ترقی غیر تسلّی بخش رہی ہے - ان سنجیدہ کوششوں کے باوجود جو گزشتہ بیس سال سے جاری ہیں ان میں سے زیادہ تر ممالک کی اقتصادی حالت اس کی متحمل نہیں کہ فاقہ کشی ، ناخواندگی ، معاشرتی اور اقتصادی ناہمواری اور سب سے زیادہ بے روزگاری کا قلع قمع کر سکے - ان ممالک کے لئے فی الحال غلّہ کی کمی سب سے بڑا مسئلہ ہے حالاں کہ ان کے زیادہ تر مزدور زراعت سے متعلق ہیں - پاکستان ۱۹ بیس لاکھ ٹن غلّہ ، ترکی اور متحدہ عرب جمہوریہ میں سے ہر ایک دس سے بیس لاکھ ٹن تک - اور کچھ عرصہ سے انڈونیشیا ، ایران اور مراکش بھی باہر سے غلّہ منگانے والوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں - اور ان ممالک میں بیرونی تبادلہ مستقل دردِ سر بنا ہوا ہے -

باب سوم

رہنما اسلامی ملکوں میں اب تک جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے یہ دشوار نظر آتا ہے کہ مستقبل قریب میں کبھی اسلامی دنیا ترقی کے راستے پر کامیابی کے ساتھ گامزن ہو سکے گی۔ مسلمان ممالک کے مسائل بہت پیچیدہ اور نہایت سنجیدہ ہیں، جن پر جلد قابو پالینا آسان کام نہیں۔ محض غیر ملکی امداد بڑھانے سے یا نجی بچت میں اضافہ کے لئے خانگی غیر منظم کوششوں سے معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی رفتار بہتر نہیں ہوسکتی۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو بیش بہا قربانیاں، اَن تھک محنت اور انفرادی و اجتماعی نقطۂ نظر کی تبدیلی چاہتا ہے، اگر مسلمانوں کی اکثریت تجارتی کاروبار کا منافع عام اقتصادی شرح پر لینے اور دینے کو مسترد کرتی رہی جو ہر آزاد اقتصادی معاشرے کو دولت مند بنانے کے لئے ضروری ہے، اگر وہ مادی اہمیت کے زبردست فوائد پر غور کئے بغیر ان کو حقیر سمجھتی رہی۔ وہ عقیدۂ قضا و قدر کے نام سے بے عملی) اور کاہلی کو پرورش کرتی رہی۔ اگر وہ جاگیرداری نظام کے تحت رہنا برداشت کرتی رہی اور جہالت و ناخواندگی پر قانع رہی تو اس کی کوئی اُمید نہیں کہ وہ غربت سے نجات پاکر معقول حد تک سماجی انصاف حاصل کر سکے۔ جس طرح یورپ نے اپنے ہاں سے زندگی کا یہ جمود پے در پے انقلابات اور ارتقائی عملوں سے ختم کر دیا ہے، اسلامی معاشرہ کو بھی غیر معمولی اقدامات کرنے پڑیں گے۔ ضروری نہیں کہ یہ تبدیلیاں اُتنی ہی تکلیف دہ ہوں جتنی یورپ میں ہوئیں مگر کسی قسم کی تیز رفتار معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لئے یہ ناگزیر ہیں۔

معاشرتی اور اقتصادی ترقی کے لئے مندرجہ ذیل باتیں شرطِ اولین ہیں:۔

(الف) زرعی اصلاحات کا ایسا تعارف جو جاگیرداری کا خاتمہ کردے۔

(ب) ناخواندگی کا خاتمہ کر کے تبدریج ایک موزوں و مناسب نظامِ تعلیم رائج کیا جائے۔

(ج) قسمت۔ عورتوں کا مرتبہ۔ تعدد ازدواج وغیرہ نیز مادیت کے مختلف پہلوؤں کے متعلق روایتی اسلامی نقطۂ نظر کی از سرِ نو تعبیر کی جائے۔

(د) اجتہاد اور اجماع جیسے اداروں کا احیاء کر کے انہیں پیشوائیت اور پاپائیت کی جگہ دلائی جائے۔

(ہ) جمہوری طرزِ حکومت کی اصولاً اور عملاً ترویج و ترقی۔

چند مسلمان ملکوں نے جن میں پاکستان اور متحدہ عرب جمہوریہ شامل ہیں اپنے ہاں زرعی اصلاحات

کی ہیں مگر دوسرے ممالک میں ان کا بے چینی سے انتظار کیا جا رہا ہے۔ دینی مسائل کی نئی تعبیر کے لئے سنجیدگی سے کوششیں جاری ہیں۔ پاکستان نے حال ہی میں ایک ادارہ تحقیقات اسلامی کی بنا ڈالی ہے جو اب اسلام آباد میں منتقل ہوگیا ہے تاکہ اس ادارہ کے ذریعہ بدلتے ہوئے حالات اور موجودہ ضروریات کی روشنی میں اسلام کی ترجمانی کی جا سکے۔

بہرحال ابھی تک اسلام کی کوئی تفسیر موجودہ دور کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے پیش نہیں کی جا سکی اور اس سلسلہ میں جو کوششیں کی گئیں وہ زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے (جو اس ادارہ کے سابق ڈائریکٹر تھے) مسلمان ممالک میں نئی روشنی اور ترقی کی بابت ایک مضمون میں اپنی ذاتی رائے مندرجہ ذیل الفاظ میں ظاہر کی ہے۔ یہ مضمون "اسلامک اسٹڈیز" راولپنڈی میں شائع ہوا۔

”مسلمان ابھی تک قرآن عظیم اور سنتِ رسول اللہ کو سمجھنے کا ایسا طریقہ معلوم نہیں کر سکے جس سے موجودہ دور کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ حالانکہ مسلمان سوسائٹی کے مختلف طبقے نئے حالات کے مطابق اقتصادی ترقی کے مظاہر کو ماننے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کو بھی قائم رکھنے پر متفق ہیں ان کے لئے ایسا لائحہ عمل بنانا دشوار ہوگیا ہے جس میں ان دونوں کا بامعنی امتزاج ہو۔ جہاں تک علماء کا تعلق ہے وہ باوجود نئے دور کی ایجادات سے پورا فائدہ اُٹھانے کے نہ صرف جدید تعلیمات کے نتائج کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ وہ اس کے نتائج سے بالکل ہی بے بہرہ ہیں اور اپنی جگہ یہ سوچے بیٹھے ہیں کہ آج بھی اسلام کے روایتی عقائد جن کو قرونِ وسطیٰ کے فقہاء نے وضع کیا تھا اور روایتی قانون کو جوں کا توں نئے اثرات سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً وہ جدید کارخانے اور ان کی مصنوعات کو تو خوش آمدید کہیں گے لیکن اسی وقت یہ سوچتے رہیں گے کہ منافع کے لین دین کی سختی سے ممانعت کی جا سکتی ہے۔“ [۲۰]

آج اسلامی معاشرہ جس دور سے گزر رہا ہے یہ اس کی ایک صحیح تصویر ہے۔ ایک طرف تو نئے خیالات کی مخالفت کی جا رہی ہے اور دوسری طرف مادی ترقی کے لئے ہنگامہ برپا ہے۔ یہ انتشار غالباً اس وجہ سے ہے کہ ”مسلمانوں کو نئی دنیا کا مقابلہ بغیر کسی تیاری کے کرنا پڑا ہے۔“ [۲۱]

مسلمان علماء کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مسلم ممالک اب آزاد ہو چکنے کے بعد بہت تیزی سے ترقی کر لیں گے، مگر یہ جان لینا چاہیئے کہ ترقی یافتہ اقتصادی نظام کے پہلے مرحلہ تک پہنچنے کے لئے ان

ممالک کو کم از کم پچاس سال کی مدت درکار ہوگی۔ اُس معاشرتی معیار پر پہنچنے کے لئے جو ترقی یافتہ ملکوں کا ہے، بقول پروفیسر کرسٹین سین ان کو دو سو سال کی طویل مدت درکار ہوگی۔ یہ نتیجہ اس اساس پر مبنی ہے کہ ترقی پذیر ممالک فی کس پیداوار میں تین فی صد سالانہ کا اضافہ کریں۔ جب کہ اس کے مقابلہ میں ترقی یافتہ ملکوں میں محض دو فی صد سالانہ اضافہ ہو۔ [۲۲]

اگرچہ آج کل مسلم ممالک میں معاشرتی اور اقتصادی ترقی کی موجودہ رفتار سست ہے تاہم اُمید ہے کہ یہ رفتار وقت کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ کیوں کہ روز بروز جہالت کم ہو رہی ہے، زیادہ موزوں نصاب نظامِ تعلیم میں شامل کئے جا رہے ہیں، پیشہ ورانہ مہارت کی تربیتی آسانیاں بہم پہنچائی جا رہی ہیں اور ان کی مزید ترویج و ترقی ہو رہی ہے۔ شہری آبادی میں نمایاں اضافہ ہو گیا ہے، مزدور طبقہ کی اکثریت منظم ہو گئی ہے اور روشن خیال لوگوں، تاجروں اور اہلِ علم کی ایک جماعت تشکیل پا رہی ہے جو بقول NIEHAUS معاشرتی نظریاتی اجتماع ہے جس کی مدد سے ترقیاتی عمل اسلامی معاشروں میں جڑ پکڑ رہا ہے۔ یہ ترقیاں جو صنعتی تبدیلیوں کے شانہ بہ شانہ ہو رہی ہیں ان سے دوسرے فائدوں کے علاوہ دینی پیشوائیت کی اہمیت ختم ہو جائے گی نیز جمہوری اور سائنٹیفک اداروں کو زیادہ طاقت مل جائے گی کہ وہ اسلامی قوانین کی بدلتے ہوئے حالات اور عہدِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق تعبیر کر سکیں۔ جدید تعلیم کے پھیلنے سے ذہنی آزادی کو فروغ ہوگا۔ مختلف شعبوں اور سائنسی معلومات میں اضافہ ہوگا بہت سے اُلجھے ہوئے اور متنازع فیہ مسائل کی نئی تفسیر ہو سکے گی، مثلاً جائداد کے مالکانہ حقوق، منافع (یا سود) لینا۔ تعدد ازدواج وغیرہ جو صرف روایات کے پابند علماء کے فیصلہ پر نہیں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ بلکہ علمِ معیشت کے ماہروں کو بھی برابر کا موقع دیا جائے گا کہ وہ ان مسائل کا حل اپنے علم کی روشنی میں تلاش کر سکیں۔ جب ہم اس منزل پر پہنچ جائیں گے تو اسلام اپنے موجودہ دقیانوسی اور مدافعانہ طرزِ عمل کو چھوڑ کر زیادہ سائنٹیفک اور ترقی پسند زاویۂ نظر کی جانب آ جائے گا۔ تحریکِ اصلاحِ مذہب، اور بعد ازاں عقلیت کے فروغ، نے عیسائی مذہب کے اقتدارِ اعلیٰ کے مالک پاپائے اعظم اور ان کے حاشیہ برداروں کی طاقت کو گھٹا دیا اور بدلتے ہوئے حالات میں مجبور ہو کر اور تیسری دنیا کے نئے تقاضوں کے زیرِ اثر پوپ پال ششم نے اپنی حال کی ایک نشریاتی تقریر میں جائداد کو تو میلنے کی موافقت کی ہے بشرطیکہ یہ صورت عوام کی بہبودی کے لئے اشد ضروری ہو۔ پوپ نے اپنے فرمان میں

ترقی پذیر ملکوں کے ان چند افراد کی شدید مذمت کی ہے جو عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں جب کہ آبادی کا زیادہ حصہ افلاس کا شکار، اور موجودہ ترقی و تہذیب کے ثمرات سے محروم ہے۔[۲۳]

وہ وقت دُور نہیں جب مسلم علماء بھی مختلف دینی مسائل کو وسعتِ نظر سے دیکھنے اور اسلام کے اصولوں کی جدید تعبیرات کو ماننے پر مجبور ہو جائیں گے۔ انھیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اپنی معاشیات کو جدید تقاضوں کے مطابق نیا لباس دینے کے لئے صرف یہی کہہ دینا کافی نہیں کہ قرآن مجید کی دینی تعلیمات ترقی کے لئے مثالی موزونیت رکھتی ہیں بلکہ اُنھیں بہت سے ایسے مثبت اقدامات کرنے پڑیں گے جن سے وہ ترقی کا نیا دستور وضع کر سکیں تاکہ اُن کے ہم مذہب نئی تبدیلیاں بہ دل و جان قبول کر لیں۔[۲۴]

بعض رہنما مسلم ممالک اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے ابتدائی مدارج شائد ۱۹۸۵ء تک طے کر لیں لیکن اور مسلم ممالک شائد ۲۰۰۰ء تک اس درجہ پر پہنچ سکیں۔ دنیائے اسلام میں غربت اتنی عام ہے اور ان کے اپنے ذرائع اس قدر محدود یا غیر ترقی یافتہ ہیں کہ وہ تھوڑی سی مدت میں اس دور کے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بن سکیں گے۔ یہ بات یقینی ہے کہ مسلمان ممالک متعدد سیاسی انقلابات اور اقتصادی بحرانوں سے دوچار ہوں گے۔ بے روزگاری کے دباؤ، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم یا بھوک اور قحط سالی کے باعث اگر ایسا ہُوا تو ممکن ہے کہ بعض مسلم عوام ان نظریوں کو اپنا لیں جو اسلام کی روح اور اسلامی افکار سے متصادم ہیں۔ اگر ایسا ہُوا تو اسلامی معاشرہ کو ایسے خطرہ کا سامنا کرنا پڑے گا جو اس کی تاریخ نے کبھی نہیں دیکھا۔

معاشرتی بحران اور خونی انقلابات سے بچنے کے لئے جو عموماً ایک فرقے یا جماعت کی دوسرے کے ساتھ بُرے سلوک کا نتیجہ ہوتے ہیں، مسلمان ملکوں کو چاہیئے کہ وہ جاگیردارانہ اور دقیانوسی معاشرتی اقتصادی، سیاسی اور انتظامی ڈھانچوں اور اداروں سے، جہاں کہیں بھی ہوں نجات حاصل کر لیں اور اپنے عوام کو بتدریج نئی اقدار اور نئے افکار کو اپنانے کے لئے آمادہ کریں جو جدید ترقی کے لئے بہت ضروری ہے۔ کاہلی، بےحسی، جوشِ عمل کا نقدان، احکامات کا بے سمجھے بوجھے روحانی اور دنیوی دونوں معاملات میں اتباع کرنا۔ دقیانوسی رسومات کو ماننا نیز منجمد اقتصادی اور معاشرتی اداروں کو ترک کر کے ان کی جگہ اب انھیں محنت سے کام کرنا ہو گا، کارگزاری اور جوشِ عمل میں اضافہ کرنا ہو گا، انتظامی قابلیت کا معیار بلند کرنا اور اپنے اعمال و افکار کا محاسبہ کرنا ہو گا اور مزید یہ کہ

ان کو اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کو اپنانے اور پھیلانے کے لئے آمادہ ہونا پڑے گا۔ یہ سب باتیں اقتصادی اور معاشرتی ترقی کے لئے لازم ہیں۔

مسلمان ملکوں کو ترقی یافتہ مغربی ممالک سے جس امداد کی فوری ضرورت ہے وہ صرف سرمایہ کی فراہمی ہی نہیں بلکہ وہ علمی خزانے بھی ہیں جن میں وہ "فنی مہارت، تجارتی، زراعتی اور صنعتی تجربات اور مہارت بھی شامل ہیں"[۲۵] جو یورپین ملکوں میں صدیوں سے جمع ہو رہے ہیں۔ اس قسم کی امداد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام کو ترقی و توسیع دینے، تربیت کی آسانیاں پیدا کرنے، امداد باہمی کے خود کار اداروں کا جال بچھانے میں مدد دی جائے۔ امداد کے موجودہ تعلیمی پروگراموں کے ساتھ ساتھ جو ترقی پذیر ملکوں کے طلباء کو یورپ میں علم اور فنی تربیت حاصل کرنے میں معاون ہوتے ہیں، یہ بھی مناسب ہوگا کہ طلباء اور دانش وروں کو یورپ آنے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ تہذیب و تمدن کے ان مدارج سے آشنا ہوسکیں جن سے یورپین ممالک تحریکِ احیائے علوم کے بعد گزرے ہیں۔ اگر تیسری دنیا میں بسنے والے پیشوا موجودہ ترقیاتی منصوبوں کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے جسے بھر نیڈ "ثقافتی تبادلہ کی حرکت پذیری"[۲۶] کہتا ہے تو اقتصادی اور معاشرتی ترقی کا عمل ان کے لئے ایک سربستہ راز رہے گا۔

علاوہ ازیں مسلمان ممالک کو تعلیم و تربیت کی ترویج و ترقی پر اخراجات بڑھانے چاہئیں۔ اس وقت بہت ہی تھوڑے ممالک ایسے ہیں جو اپنی قومی آمدنی کا محض ایک دو فی صدی حصہ تعلیم و تربیت پر صرف کرتے ہیں جب کہ باقی ممالک اعشاریہ پانچ فی صدی یا اس سے بھی کم صرف کرتے ہیں[۲۷]۔ قومی آمدنی میں سے حصولِ علم کے لئے اخراجات کم از کم ۵ سے ۶ فی صدی تک بڑھانے چاہئیں۔ اسی طرح امداد دینے والے ممالک کی ذہنی اور فنی تربیت کے لئے دی جانے والی امداد، جو اس وقت ان کی پوری امداد کا صرف دسواں حصہ ہوتی ہے بڑھا کر کم از کم پچیس فی صدی کر دینا چاہیئے۔ فنی اور علمی امداد ملے بغیر امداد پانے والے ممالک نہ تو مالی امداد کو صحیح طور پر استعمال کر سکیں گے اور نہ اپنے وسائل کو مناسب طور پر منظم کر سکیں گے۔

"تعلیم اور معلوماتی پروگراموں پر وافر رقم صرف کرنے کے علاوہ غریب ملکوں کو" ڈاکٹر پرنیا (DR. PIRNIA) کے الفاظ میں "سائنسی نظریۂ حیات پیدا کرنا چاہیئے اور مظاہرِ فطرت، سماج اور جدید ٹیکنیک میں علت و معلول کے رشتہ کو تسلیم کرنا چاہیئے۔"[۲۸]

بغیر ان تصورات اور اعمال کو سمجھے ہوئے جو برآمد کرنے والے ممالک میں ان ایجادوں کے محرک بنے محض صنعتی مشینوں کی تنصیب، امداد پانے والے ممالک کی ذہنی نشو و نما اور دولت کے حصول میں بہت کم مؤثر اور سودمند ثابت ہوگی۔ ڈاکٹر پرنیا (DR. PIRNIA) کے الفاظ میں:

"غیر ترقی یافتہ ممالک میں بڑی بڑی فیکٹریاں اور پلانٹ اس عظیم الشان درخت کی شاخیں ہیں جو ان غیر ترقی یافتہ ممالک کے باہر ایک موزوں ذہنی اور معاشرتی ماحول میں اُگا اور جس کی جڑوں کو ان ہی زمینوں میں پانی دیا جا رہا ہے۔" [29]

متذکرہ بالا کوششوں کے ساتھ ساتھ مسلمان ممالک کے لئے یہ ضروری ہے کہ روایتی طریقوں سے ہٹ کر ترقیاتی کوششیں کریں اور اپنی کثیر افرادی طاقت کو سڑکیں بنانے، رسل و رسائل کے ذرائع کو فروغ دینے، درخت لگانے، سیم اور تھور کا انسداد کرنے، بند باندھنے، نہریں کھودنے اور کھیتوں میں کاشت کے نئے طریقوں کو رائج کرنے کے لئے استعمال کریں۔[30] باڈے (BAADA) کہتا ہے کہ اگر اس بنیادی ذریعہ کا صحیح استعمال نہ کیا گیا اور کام کرنے والوں کو فنی اور ماہرانہ معلومات سے مسلح نہ کیا گیا تو ہمیں شک ہے کہ ترقی کے لئے غیر ملکی امداد اور فرسودہ طریقۂ کار ترقی پذیر مسلمان ملکوں میں افلاس اور جہالت کے زبردست مسائل کو حل کر سکیں۔" [31]

○ ● ○ ●

حواشی و حوالجات

۱ ۔ جان کالون "انسٹی ٹیوٹ آف دی کرسچین ریلیجن"۔ ترجمہ ہنری بیوریج ٹی۔ ٹی۔ کلارک۔ ایڈنبرا۔ ۱۸۹۵ء جلد اوّل۔ باب سولہواں۔ نوٹ ۷۔

۲ ۔ آئی۔ آر۔ سنائی "دی چیلنج آف ماڈرنائزیشن" چٹو اینڈ ونڈس۔ لندن۔ ۱۹۶۴ء ص ۱۴۔

۳ ۔ ایضاً ص ۱۵۔

۴ ۔ ولفریڈ ویبر ص ۳۷۱ تا ۳۸۱، اور دیکھئے پال ہیزارڈ "دی یورپین مائنڈ" ۱۶۸۰۔ ۱۷۱۵ء، ۱۹۶۳ء پیلیکن بک ۱۹۶۴ء ص ۱۶۸ تا ۱۷۶۔

۵ ۔ روسو "دی سوشل کونٹریکٹ اینڈ ڈسکورس" ایوری مینز لائبریری ص ۲ تا ۴۴۔

۶ - سنائی - حوالہ سابقہ ص ۲۰ -

۷ - ایضاً -

۸ - ایضاً ص ۲۰ تا ۲۱ -

۹ - ایضاً ص ۲۰ -

۱۰ - یہ ایک نئی اصطلاح ہے جو مصنف نے اختراع کی ہے "INFANT DEMOCRACY" سے وہ تمام جمہوریتیں مراد ہیں جہاں سیاسی طاقت معدودے چند جماعتوں کے پاس ہوتی ہے اور جہاں کے عوام کا بڑا حصہ جہالت کا شکار رہتا ہے - پاکستان اور انڈونیشیا کو "INFANT DEMOCRACIE" کہا جا سکتا ہے -

۱۱ - دیکھئے ژاں پال سارتر - از فرانتز فینن - ۱۹۶۶ء - ص ۷ تا ۲۵ -

۱۲ - ایس - کوب - "اسلامک کنٹری بیوشنز ٹو سیویلیزیشن" واشنگٹن - ۱۹۶۳ء - ص ۱۸ -

۱۳ - پاکستان کے سائنٹیفک کمیشن کی رپورٹ - حکومتِ پاکستان - وزارتِ صنعت ۱۹۶۰ء ص ۷ -

۱۴ - "دی ٹائمز" - لندن ۲۹ جنوری ۱۹۶۳ء -

۱۵ - کوب - حوالہ سابقہ - ص ۳۳ -

۱۶ - دیکھئے - برنارڈ لیوس "آٹمن آبزرورز آف آٹمن ڈیکلائن" "اسلامک اسٹڈیز" کراچی - جلد اول - ۱ مارچ ۱۹۶۲ء ص ۷۱ تا ص ۸۳ -

۱۷ - آرنلڈ ہاٹنگر "یورپا آرچو" بان - ہفتہ - ن ر - ۶ - ۲۵ مارچ ۱۹۶۷ء - ص ۲۲۰ -

۱۸ - نیازی برکس "دی ڈیویلپمنٹ آف سیکولرزم ان ٹرکی" میکگل یونیورسٹی پریس ۱۹۶۴ء - ص ۵۱۰

۱۹ - پاکستان میں خاص طور سے صوبہ مغربی پاکستان میں اس کے اچھے امکانات ہیں کہ موجودہ پنج سالہ منصوبہ (۱۹۶۵ تا ۱۹۷۰ء) کے آخر تک وہ اپنی نجی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کافی غلہ پیدا کر سکے -

۲۰ - فضل الرحمن "دی امپیکٹ آف ماڈرنٹی آن اسلام" "اسلامک اسٹڈیز" راولپنڈی جلد پنجم ۲ - جون ۱۹۶۶ء ص ۱۱۸ تا ۱۱۹ -

۲۱ - کان کا گا با "اسلام اینڈ اے ماڈرن سوشل فورس" "دی ڈیویلپنگ ایکانومیز" جلد چہارم

مدا - مارچ ۱۹۶۶ء - ٹوکیو - ص ۱۵ -

۲۲ - تھارکل کرسٹینسن " دی ویسٹرن انڈسٹریلائزڈ نیشنز اینڈ ڈیویلپنگ کنٹریز " دی او ای سی ڈی آبزرور ۱۳ دسمبر ۱۹۶۴ء - پیرس - ص ۳ -

۲۳ - پوپ پال ششم " پاپولرم پروگریسو - سوشیالیز لکیا " ۲۶ مارچ ۱۹۶۷ء - ص ۱۱ -

۲۴ - دیکھئے احمد مدثر -

۲۵ - کرسٹین سن حوالہ سابقہ ص ۴ -

۲۶ - رچرڈ بہ نیڈ -

۲۷ - پاکستان کے پنج سالہ منصوبہ میں تعلیم کے لئے کل خرچ کا صرف پانچ فی صدی مختص کیا گیا ہے -

۲۸ - حسین پیرنیا " مانڈ میٹر اینڈ ویلیتھ " " تحقیقاتِ اقتصادیہ " - تہران کی یونیورسٹی کے شعبہ تحقیقات اقتصادی کا سہ ماہی مجلہ - جنوری ۱۹۶۷ء - ص ۶ -

۲۹ - ایضاً ص ۹ -

۳۰ - پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک مثلاً مراکش اور تونس نے اپنی زائد افرادی طاقت کے دیہاتی علاقوں میں استعمال کا اچھا تجربہ کیا ہے - زیادہ تر پروگرام جو ورکس پروگرام کہلاتے ہیں اس فنڈ سے چلتے ہیں جو ان جنس کی فروخت سے جمع ہوتا ہے جنہیں مملکت متحدہ امریکہ نے پبلک لا ۴۸۰ کے تحت مہیا کیا -

۳۱ - فرنٹیئر ہاؤ ... ص ۱۹۶ ... -